رجسٹرڈ ایل نمبر ۷۷

انّ اللہ لا یغیّر ما بقوم حتّٰی یغیّروا ما بانفسھم

سلسلہ عالیہ احمدیہ کا سب سے پہلا اور مشہور معروف اخبار ہر مہینے کی

۲ و ۶ و ۱۰ و ۱۴ و ۱۸ و ۲۲ و ۲۶ و ۳۰

تاریخ کو قادیان دار الامان سے شایع ہوتا ہے

الحکم

چہ گویم با تو گر آئی بہ دار قادیان بینی	دو اینی شفا بینی غرض دار الامان بینی

ایڈیٹر۔ شیخ یعقوب علی تراب احمدی

قیمت پیشگی سالانہ

۱- عوام سے ۵ر

۲- خواص و معاونین سے عہ

[illegible] سے باہر ۶ر

[illegible] ہب والوں سے ۱۲ر

[illegible] پنی جماعت کے غیر مستطیع وں [illegible]

روپے سے کم آمدنی والے لوگوں سے ۱۲ عہ

نوٹ

عہ کا سالانہ اضافہ مندرجہ بالا قیمتوں میں ڈبل اشاعت کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

نمبر ۱۹	قادیان دار الامان مورخہ ۱۴ مارچ سنہ ۱۹۰۸ء مطابق ۱۰ صفر سنہ ۱۳۲۶	جلد ۱۲

لنگر خانہ کی طرف توجہ چاہیے۔

لنگر خانہ کی ضروریات پر ایک سے زیادہ مرتبہ توجہ دلائی گئی ہے۔ لنگر خانہ کے اخراجات دن بدن بڑھ رہے ہیں اور قحط سالی کے سبب سے اور بھی اضافہ ہو گیا ہے اس لئے ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ احباب یک مشت چندے لنگر خانے کے لئے دیں اور ماہواری چندے اپنے وقت پر ادا ہوتے رہیں تاکہ حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ السلام کے اوقات گرامی میں تشویش کی وجہ سے ہرج واقعہ نہ ہو۔ اس تحریک کو معمولی اور عام نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ ڈیپوٹیشن جو مدرسہ تعلیم الاسلام کی عمارت کیلئے نکلا ہے اسکے مقاصد میں لنگر خانہ کیلئے یک مشت چندہ جمع کرنا بھی داخل کیا گیا ہے جہاں احباب عمارت مدرسہ کیلئے چندہ دیں۔ لنگر خانہ کیلئے یک مشت چندہ بھی دیں۔ بار بار اس قسم کی تحریکیں کرنیکی ضرورت نہیں۔ لنگر خانہ سب سے اول نصب العین رہنا چاہئے۔ یاد رہے لنگر خانہ کیلئے جسقدر روپیہ بھیجا جاوے۔ وہ براہ راست حضرت مسیح موعود (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے نام بھیجا جاوے۔

خلاصہ خطبہ جمعہ ۶ مارچ ۱۹۰۸ء

از حضرت مولانا مولوی سید سرور شاہ صاحب سلمہ ربہ

فرمایا قرآن شریف میں یہ جو انبیاء اور اُن کے مخالفوں کے قصے بارہا بیان ہوئے ہیں اُن میں اصل غرض و غایت اور حکمت کیا ہے۔ قرآن شریف کوئی تاریخی کتاب یا قصے کہانیوں کا مجموعہ تو ہے نہیں۔ قاعدہ کی بات ہے کہ معتبر حکماء اور حاذق طبیبوں کے مجرب نسخے پسند عام اور مقبول خلایق ہوتے ہیں۔ جو کام تجربہ سے مفید ثابت ہو جاوے۔ دنیا اس کو اپنا دستور العمل بنا لیتی ہے اور اس کی رغبت دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جو کام تجربہ سے مضر اور انجام کار ہلاکت کا باعث ثابت ہو جاتا ہے لوگ اُس کے پاس تک نہیں پھٹکتے اور اُس سے دلوں میں قدرتاً نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن شریف بھی اسی زبردست فطری اصول کو ہاتھ میں لیکر دُنیا کو ملزم کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ دُنیا میں جتنے بھی رسول اور نبی آئے (خواہ وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوں یا کم و بیش) اُن میں سے ایک بھی ایسا نہیں گذرا کہ وہ دُنیا میں رہ کر تبلیغ احکام اوامر و نواہی الٰہی کرتا رہا ہو اور وہ دُنیا سے اُٹھ گیا ہو۔ اور کسی نے اُس کی مخالفت نہ کی ہو۔ اور پھر یہ بھی کبھی نہیں ہوا کہ انبیاء مخالفوں کے مقابلہ میں دُنیا سے ناکام چلے گئے ہوں۔ ہر فرقہ کے لوگ۔ ادنےٰ سے اعلےٰ تک اور عالم سے لیکر جاہل تک انبیاء کے مخالف ہوا کئے ہیں مگر کبھی نہیں ہوا کہ نبی اُن سے مغلوب ہو گیا ہو۔

اور پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ جب انبیاء آتے ہیں اور وہ دُنیا پر اپنی حجت پوری کر دیتے ہیں اور دُنیا پھر بھی حق کو قبول نہیں کرتی اور شرارت اور مخالفت سے باز نہیں آتی تو طرح طرح کے عذاب۔ وبائیں۔ قحط بھی نازل ہوتے ہیں۔ اور وہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ اول اول معمولی عذاب آتے ہیں کہ تا سعید فطرت انسان سلیم طبع لوگ اُن سے فایدہ اُٹھائیں۔ اور حق کے قبول کرنے میں اُن کے دل ان عذابوں سے نرم ہو کر خدا کی طرف جھکیں اور معاصی اور جرائم کے ارتکاب سے باز آکر خدا کے فرستادہ کی اطاعت کر لیں۔ اوائل میں جو عذاب آتے ہیں وہ ہلاکت کے واسطے نہیں آتے بلکہ اس لئے ہوتے ہیں کہ اُن سے اثر پذیر ہو کر شرارت اور شوخی سے توبہ کریں اور ہدایت پا جاویں۔ مگر جب ان کی پرواہ نہیں کی جاتی تو پھر مہلک عذاب بغتۃً آجاتے ہیں اور توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

فرمایا حق سے محروم رہنے والوں کا ہمیشہ سے یہی قاعدہ چلا آیا ہے کہ وہ اپنے ایمان لانے کو شروط و شرائط کیا کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جاوے تو ہم ایمان لاویں گے۔ اگر ایسا ہو جاوے تو ہم مان لینگے۔ مگر خدا بڑا بے نیاز ہے۔ آخر ایسے لوگ قبول حق سے محروم رہ جاتے ہیں۔

پس جب لاکھ در لاکھ انبیاء اولیاء اور خدا کے پیارے بندوں کا یہ مجرب نسخہ ہے کہ انبیاء کے مخالف کبھی کسی زمانہ میں اور کسی بھی حالت میں انبیاء کے مقابلہ پر کامیاب بامراد۔ مظفر و منصور نہیں ہوئے۔ تو پھر باوجود اتنے پاکباز انسانوں کے متواتر تجربہ کے اگر کوئی اس مجرب نسخہ پر عمل نہ کرے اور انبیاء کی مخالفت سے (خواہ وہ کسی زمانہ اور وقت میں ہوں) باز نہ آوے تو کیا نادان ہے وہ شخص۔

یاد رکھو کہ وبائیں۔ امراض اور قحط انبیاء کے نشانات میں سے ہیں۔ ان سے فایدہ اُٹھانا چاہیئے۔ اور قبل اس کے کہ وہ بڑا عذاب آجاوے جو بغتۃً آتا ہے۔ اور توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اپنی اصلاح کرنی چاہیئے اور ایمان مشروط بشرائط نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ محرومی کی نشانی ہے۔ اب اس وقت بھی ایک خدا کا رسول اور نبی اللہ ہم میں موجود ہے بس اس کی عملی اور اعتقادی مخالفت سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ اس کی بھی ابتدائی حالت اور اس موجودہ حالت کا مقابلہ کرنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس کی کامیابی اور اس کے مخالفوں کی ناکامی بھی اسی منہاج نبوت پر ہے جو آج سے ہزاروں برس پیشتر سے خدا کے پاک رسولوں کے ساتھ ساتھ چلی آئی ہے۔ پس یاد رکھو کہ کسی علم۔ دولت۔ بزرگی۔ وجاہت پر گھمنڈ ہرگز ہرگز مت کرنا۔ نبیوں کی مخالفت سے بچتے رہنا اور سچے دل سے اُن کی تعلیم کا پابند ہو کر اُن کا ساتھ دینا ہی سعادت ہے۔ خدا ہمیں اور آپ لوگوں کو توفیق عطا کرے کہ کبھی بھی کسی رنگ میں عملاً یا اعتقاداً کسی قسم کی مخالفت نہ کریں۔ اور امام پاک کی سچی تعلیم کا پورا نمونہ بنیں۔ آمین۔

اخبار گلزار مرتضوی لاہور

یہ اخبار چند مہینوں سے کسی خاص وجہ سے بند کی گئی تھی اب چند مخیر احباب کی توجہ سے یکم اپریل ۱۹۰۸ء کو پھر جاری کیجاتی ہے۔ ان چند معزز حضرات کی امداد سے پانصد درخواستیں تو پہنچ گئی ہیں امید کیجاتی ہے کہ اگر پبلک اور قوم کی بھی توجہ رہی تو دو ہزار درخواست پورا ہونے میں کوئی دیر نہیں یہ اخبار ۲۹×۲۲ ⅛ پر آٹھ صفحہ ہفتہ وار لاہور سے شائع ہوگا جس میں سچے واقعات و تازہ خبریں گورنمنٹ اور قوم کی سچی ہمدردیکا پورا ذخیرہ ہوگا قیمت سالانہ مع محصول ایک روپیہ ۸ آنہ ہر ایک امور کی نسبت بذریعہ خط و کتابت فیصلہ ہو سکتا ہے۔ قوم کا خادم سید احمد شاہ منشی اڈیٹر اخبار گلزار مرتضوی لاہور

کلمات طیبات حضرت امام الزمان سلمہ الرحمٰن

۷ مارچ ۱۹۰۸ء بوقت سیر

کسی آریہ کے اس اعتراض پر کہ نعوذ باللہ آں حضرتؐ کو خود اپنی وحی اور الہامات پر یقین اور وثوق نہ تھا اسی واسطے تحویل کعبہ ہوا کی۔

فرمایا کہ یہ نادان لوگ نہیں جانتے کہ تحویل کعبہ اور یہ انقلاب اللہ تعالیٰ نے اس واسطے کرائے تھے تا یہ ظاہر ہو جاوے کہ مسلمان کعبہ پرست نہیں ہیں۔ ہر دو متبرک مقامات جن کی بزرگی اور عزت کی وجہ سے کبھی کسی زمانے میں کسی کو ان کی پرستش کا خیال ہو سکتا تھا ان کو پیٹھ کے پیچھے کرا کے اس امر کا اظہار عام طور پر کرا دیا کہ مسلمان واقعی اور حقیقی طور سے خدا پرست ہیں نہ کہ کعبہ پرست۔ بااین ہمہ یہ لوگ مسلمانوں پر حجر اسود کی پرستش کا الزام دیتے ہی جاتے ہیں۔ صاف بات ہے کہ عبادت کیلئے انسان کو کسی نہ کسی طرف تو منہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ پس ایک شخص تو خود اپنی خواہش سے کسی طرف کو پسند کرتا ہے اور دوسرا حکم الٰہی سے ایک خاص طرف منہ کرتا ہے بھلا بتاؤ تو سہی ان میں سے کون اچھا ہے۔ ایک تو حکم پرست ہے اور دوسرا نفس پرست۔ بااین ہمہ یہ لوگ مسلمانوں کو کعبہ پرست کہتے ہوئے شرماتے کیوں نہیں۔ ؟ پس آں حضرتؐ کا تحویل کعبہ کرنا اسی حقیقت پر مبنی تھا۔ کہ مسلمان خالص موحد اور توحید کے پابند ہو جاویں۔ کعبہ پرستی کا وہم تک بھی ان کے دل سے نکل جاوے۔ نہ کسی تلون اور یقین کی کمی کی وجہ سے جیسا کہ نادان آریوں کا وہم ہے۔ کیونکہ آپؐ تو صاف کہتے ہیں قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی۔

ایک دوسرے اعتراض پر کہ مسلمان لوگ جو جنگوں میں لونڈیاں بنا لیا کرتے تھے یہ بڑا ظلم اور وحشت ہے۔

فرمایا کہ مسلمانوں نے جو کچھ بھی کیا تھا سب کچھ کفار مکہ کے جور و ستم اور ظلم و تعدی کے بعد کیا تھا۔ اُن کے مظالم کے کارنامے دیکھکر پھر مسلمانوں پر اعتراض کرنا چاہیئے۔ بھلا غور کرو کہ مکہ میں آپؐ کی زندگی کس طرح کی گذری ہے۔ کس غربت اور انکساری سے اہل مکہ کے تشدد اور مظالم کا مسلمان نشانہ بنتے رہے تھے۔ کہ آخر اُن کی شرارتوں سے تنگ آکر آپؐ کو اپنا عزیز وطن بھی چھوڑنا پڑا۔ اُس زندگی میں

ایک مسلمان بیوی کا ایک جگر خراش واقعہ ہے جو کفار مکہ کے جور و ظلم کا مشت نمونہ خروارے است۔ ہماری فطرت تقاضا نہیں کرتی کہ اس ظلم کی تفصیل اور تشریح کریں جنھوں نے وہ واقعہ کتب تواریخ میں پڑھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ وہ کیسا جانکاہ واقعہ ہے۔ غرض مسلمانوں نے جو کچھ بھی کیا ہے دفاعی رنگ میں کیا ہے۔ مقابل لوگوں نے پہلے وہ سارے کام کئے تھے بعد میں مسلمانوں نے کئے۔ جیسا جیسا اُنھوں نے کیا تھا ویسا اُن سے کیا گیا۔ جزاء سیئة سیئة مثلها۔

اصل بات یہ ہے کہ دنیا کے انتظام کے واسطے خدا تعالےٰ نے دو حکومتیں بنائی ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ہمارے رسول اکرم صلعم کو یہ دونو حکومتیں عطا کی گئی تھیں پس شریروں۔ بدمعاشوں۔ لٹیروں راہزنوں کو ان کی شرارتوں کی سزا دینی ملک میں امن قائم کرنے کے واسطے ضروری تھی۔ مدینہ کے لوگوں نے آپ صلعم کو اس وقت اپنا ظاہری بادشاہ بھی مان لیا تھا۔ اکثر مقدمات کے فیصلے آپ سے ہی کراتے تھے۔ چنانچہ ایک مقدمہ ایک مسلمان اور یہودی کا تھا آپ نے یہودی کو اس میں ڈگری دی تھی۔ بعض وقت آپ صلعم نے کفار کے جرائم اُن کو معاف بھی کئے۔ اور بعض رسوم بد کو آپ نے مقابلہ میں بھی ترک کر دیا ہے۔ چنانچہ کفار مکہ لڑائی میں مسلمان مردوں کی بے حرمتی کیا کرتے تھے۔ ناک کان کاٹ لے جاتے تھے مگر آں حضرت صلعم نے مسلمانوں کو اس رسم بد کے ترک کر دینے کا حکم دیا تھا۔

غرض ان معترضوں کو دونوں آنکھوں سے کام لینا چاہئیے۔ دو آنکھوں کے ہوتے کانے کیوں بنتے ہیں۔ کفار مکہ کے مظالم کو پہلے مطالعہ کریں پھر مسلمانوں کی اگر کوئی زیادتی ثابت ہو تو اُن کو حق ہے مسلمانوں کے تمام جنگ اور کفار کے ساتھ تمام سلوک دفاعی رنگ میں ہیں ابتدا ہرگز ہرگز مسلمانوں نے کبھی نہیں کی۔

اچھا اب دیکھو یہ سرحدی لٹیرے جو آئے دن گورنمنٹ کی رعایا کے جان و مال پر حملے کرتے ہیں اور بدامنی پھیلاتے ہیں تو کیا گورنمنٹ کو چپکے بیٹھے رہنا چاہئیے۔ اور ان کی سرکوبی اور سزا کی کوئی مناسب تجویز نہیں کرنی چاہئیے۔ ذرا غور کرو اور سوچو۔

---

۱۰ مارچ ۱۹۰۸ء بوقت سیر

فرمایا دینی ضروریات کے انجام دینے کے واسطے چندوں کی ضرورت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش آئی تھی۔ دیکھو ہماری جماعت جو اس وقت چار لاکھ یا اس سے بھی زیادہ ہے اگر اس میں سے صرف دس ہزار آدمی جو خواہ غریب کسان ہی ہوں اور اخلاص سے ضروریات دینی کے واسطے اپنے نفس پر وہ اگر صرف ۸ ماہوار ہی مقرر کر لیں اور التزام سے ماہوار ادا کرتے رہیں تو پانچ ہزار روپیہ ماہوار کی کافی امداد دینی ضروریات کی انجام دہی کے واسطے پہنچ سکتی۔ اور یہ امر جفاکش۔ محنتی۔ اور دیانتدار واعظوں کے ذریعہ سے اچھی طرح سے پورا ہو سکتا ہے۔ جو لوگوں کو دینی ضروریات سے آگاہ کرتے رہیں۔ فرمایا کہ سلسلہ خطوط کے دیکھنے سے پتہ لگ سکتا ہے کہ کس قدر لوگوں کے خط ہر روز بیعت کے واسطے آتے ہیں۔ اور یوں بھی کوئی ہفتہ خالی نہیں جاتا کہ دس بیس آدمی بیعت نہ کرتے ہوں۔ اب اس طرح سے بیعت کے رجسٹروں کی تعداد میں تو روزافزوں ترقی ہے مگر یہ رجسٹر یعنے باقاعدہ چندہ دہندگان کا اپنی اسی حالت پر ہے۔ اس میں کوئی نمایاں ترقی نہیں ہوتی۔ اصل وجہ یہی ہے کہ لوگ بذریعہ خطوط بیعت کرتے ہیں۔ یا اس جگہ آکر بیعت کرتے ہیں۔ اور چلے جاتے ہیں مگر اُن کو ضروریات سلسلہ سے مطلع کرنے کا کوئی کافی ذریعہ نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں مولوی فتح دین صاحب بھی اس کام کے واسطے موزون ہیں آدمی مخلص۔ دیانتدار ہیں۔ اور یوں ان کی کلام بھی موثر ہے۔ ان کی پنجابی نظم جو اس ملک کی مادری زبان ہے اور جسے لوگ خوب سمجھتے ہیں وہ بھی اچھی موثر ہے۔ ہمارے خیال میں ان کے ذریعہ سے تبلیغ و اشاعت کا کام بھی ہوتا رہے گا اور چندہ کی وصولی کا بھی باقاعدہ انتظام ہو جاوے گا۔

مولوی فتح دین صاحب کی کسی عرض پر فرمایا کہ خدا جب بندے سے خوش ہو جاتا ہے تو وہ اپنے بندے کو خود عظمت اور رُعب عطا کر دیتا ہے۔ کیونکہ حق کے ساتھ ایک عظمت اور رعب ہوتا ہے۔ دیکھو ابوجہل وغیرہ جو اُس وقت مکہ میں بڑے آدمی بنے ہوئے تھے اصل میں اُن کا سارا تکبر اور دبدبہ جھوٹا تھا۔ اُن کی عظمت فانی تھی۔ چنانچہ نتیجہ میں دیکھ لو کہ اُن کی عظمت و شوکت کہاں گئی۔ اصل بات یہ ہے کہ سچا رعب اور حقیقی عظمت اُن لوگوں کو عطا کی جاتی ہے جو اول خدا کے واسطے اپنے اوپر ایک موت وارد کر لیتے ہیں۔ اور اپنی عظمت اور جلال کو خاکساری سے۔ انکساری سے تواضع سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ تب چونکہ اُنھوں نے خدا کے لئے اپنا سب کچھ خرچ کیا ہوتا ہے خدا خود اُنکو اُٹھاتا ہے۔ اور قدرت نمائی سے ان کو نوازتا ہے۔

دیکھو تو بھلا اگر حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنی پہلی خاندانی بزرگی اور عظمت ہی کو دل میں جگہ دیئے رہتے اور خدا کے لئے وہ اپنا سب کچھ نہ کھو بیٹھتے تو کیا تھے ریادہ سے زیادہ مکہ کے نمبردار یا چودھری بن جاتے۔ مگر نہیں خدا نے اُن کے دلوں کے اندر دنیا کے حالات کو خلوص سے بھرا پایا اور اُنھوں نے خدا کی راہ میں اپنی کسی بزرگی اور عظمت و سطوت کی پرواہ نہ کی بلکہ سب کچھ نثار کر دیا اور خدا کے لئے فروتن۔ متواضع اور خاکسار ہو گئے تو اللہ نے اُن کو کیسا نوازا کیسی عظمت اور جبروت عطا کیا۔ بھلا جو کچھ خدا نے اُن کو دیا اُس کا وہم بھی کبھی کسی عرب کے دل میں اسوقت آسکتا تھا۔ ہرگز نہیں۔ پس سچی عظمت اور سچا رعب یہی تھا۔ نہ کہ ابوجہل وغیرہ کا۔ اور یہ باتیں اُنھی کو دی جاتی ہیں جو پہلے اپنے اوپر خدا کے لئے ایک موت وارد کر لیتے ہیں۔

فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ صبر سے کام لینا چاہئیے ترقی ہو رہی ہے۔ قبولیت دلوں میں پیدا ہوتی جاتی ہے۔ اور دنیا کے کناروں تک اب یہ سلسلہ پہنچ چلا ہے۔ ہمارے پاس بعض ایسے لوگوں کے بھی خط آتے ہیں۔ جن میں سے بعض روسائے ریاست بھی ہوتے ہیں اور اُنھوں نے بیعت بھی نہیں کی ہوتی وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے لئے فلاں امر میں دعا کی جاوے۔ اصل بات یہ ہے کہ دنیا کے دل مان گئے ہیں۔ اور اب دیکھو متواتر ۲۶ یا ۲۷ برس سے ہمارا دعوےٰ چلا آرہا ہے۔ اور خدا اس میں روز ترقی دے رہا ہے۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس بات کی نظیر نہیں ملتی کہ کسی مفتری علی اللہ کو اس قدر مہلت دی گئی ہو اور ایسی قبولیت اور ترقی عطا کی گئی ہو۔ آسمانی اور زمینی نشان اُس کے واسطے بطور شاہد پیدا کئے گئے ہوں۔ آخر ان باتوں کا بھی تو دلوں پر اثر ہوتا ہے۔ گھبرانا نہیں چاہئیے۔ صبر۔ استقامت۔ اور دعا سے کام لینا چاہئیے۔

سیر سے واپسی پر ایک کسان منگو نام سکنہ بھینی نے سامنے سے آکر سلام مسنون اور مصافحہ کرنے کے بعد عرض کی کہ حضور تھوڑی دیر ٹھیر جاویں میں کچھ گنے نذر کرنا چاہتا ہوں حضور نے فرمایا کچھ ضرورت نہیں تمہیں ثواب ہو گیا۔ اب تکلیف مت کرو۔ مگر اُس نے نہ مانا اور اصرار کیا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا میاں شادی خان کو دے دو۔ وہ ہمارے واسطے لے آویگا۔ مگر اُس شخص نے نہایت ہی الحاح سے عرض کی نہیں حضور یہاں ٹھیر ہی جاویں اور حضور کے سارے ساتھی گنوں کی دعوت قبول کریں یہ کہ کر

لپٹ گیا اور حضور کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کھیت میں لے گیا حضرت اقدس مسکرائے اور اُس کے کھیت میں چند منٹ تک ٹھہلتے رہے - اتنے میں اُس نے گنّے کا ڈھیر کئے - چنانچہ حضرت کے تمام ساتھیوں نے لے لئے - چلنے سے پہلے حضرت اقدس علیہ السلام نے نہایت لطف اور مہربانی سے اُس شخص کو بُلا کر اُس کا نام وغیرہ دریافت کیا اور اُس کے صدق اور خلوص محبت سے مسکرا کر رخصت ہوئے -

اس واقعہ سے حضرت کے ہمراہیوں پر خاص اثر ہوا کہ کس لطف اور شفقت سے اور فراخ دلی سے حضرت اقدس علیہ السلام اس سے پیش آئے - اور یہ آپ کے اخلاق حمیدہ کا ایک نمونہ تھا -

اس جگہ ہم بڑی فروگذاشت کریں گے اگر ناظرین کو انجیلی یسوع اور اُس کے ایک کسان کے کھیت میں سے بلا اجازت بالیں توڑنے کے قصہ کی طرف توجہ نہ دلائینگے ایک طرف تو انجیلی یسوع کا بلا اجازت مالک بالیں توڑ لینا اور دوسری طرف مسیح محمدی کا باوجود اصرار مالک کھیت یہ کہنا کہ تمہیں تمہاری نیّت کا ثواب مل گیا تکلیف مت کرو غور کرنے والوں کے لئے انجیلی اور قرآنی تعلیم کا موازنہ کرنے کے واسطے بہترین مثال ہے -

---

فرمایا ہر قوم کی اصلی تعلیم کا خواہ اُس پر ہزاروں ہی برس کیوں نہ گذر جائیں کچھ نہ کچھ اثر یا نمونہ بطور بیج کے رہ ہی جاتا ہے - ویدوں میں اگر توحید کی تعلیم کا کوئی بھی شعبہ موجود ہوتا تو اُس تعلیم کا اثر اُس کے ماننے والوں میں ضرور کچھ نہ کچھ تو پایا جاتا - کروڑوں نمونے بت پرستی کے موجود ہیں - لاکھوں مندروں میں طرح طرح کے بُت رکھے ہیں - بلکہ اکثروں میں تو مخش اور ننگی ...... مورتیاں ان کے تمدن اور ویدوں کی تعلیم کی اصلیت کا ازلی طور دُنیا کے سامنے پیش کرتی ہیں - علمی رنگ میں ان کی کتب جو دیانند سے پہلے اسلام کے مقابل میں علم مناظرہ میں لکھی گئی ہیں وہ ان کی تعلیم کی اصلیت ظاہر کرتی ہیں - چنانچہ وہ لوگ ہمیشہ مسلمان موحدوں کے مقابلہ میں بت پرستی کے اثبات کے دلایل اپنی انہی کتب متبرکہ یعنے ویدوں سے پیش کیا کرتے تھے اور اُن کی ساری جدوجہد مورتی پوجا کے اثبات کے لئے ہوا کرتی تھی - سوا چند اُن آدمیوں کے جن کو دیانند نے پیدا کیا ہے - کل بڑے بڑے علما اور فضلا مورتی پوجا ہی کے معتقد تھے - اب ہم اُن لاکھ در لاکھ پنڈتوں اور متقدمین بزرگان اہل ہنود کو ان معدودے چند دیانندی خیال کے مقلدوں کے مقابلہ میں کس طرح جھوٹا جان سکتے ہیں - والفضل للمتقدمین -

پس یہ بات دو حال سے خالی نہیں - یا تو یہ دعوے توحید پنڈت دیانند کا زمانہ حال کی موجودہ روش اور ترقی کو دیکھکر خود ساختہ مسئلہ ہے - اور دراصل ویدوں میں اس کا نام و نشان نہیں - بلکہ وہی مورتی پوجا کا پُرانا مسلم مسئلہ ان کتب میں اصل الاصول ہے جس کا ثبوت مدت ہائے دراز سے اہل ہنود کے کروڑوں رشی اور پنڈت بزرگ اپنے عملی نمونے سے دُنیا میں قائم کر گئے ہیں -

اور یا اگر پنڈت دیانند کو اپنے دعوے میں سچا مان لیں اور اُن متقدمین کو جو ان کتابوں کے اصل وارث اور اہل تھے غلطی پر خیال کر لیں تو یوں ماننا پڑے گا کہ وید گونگے ہیں اور وہ اپنے اظہار مطلب سے بالکل عاری ہیں - توحید اور بت پرستی میں زمین آسمان کا فرق ہے - مگر ان دونو کا سرچشمہ وہی کتب مقدسہ یعنے وید ہی بتایا جاتا ہے - ایک طرف متقدمین اہل ہنود انہی ویدوں کو ہاتھ میں لیکر بُت پرستی ثابت کرتے ہیں اور موحدوں سے مباحثہ کرتے ہیں - دوسری طرف اُنہی پاک کُتب سے آجکل موجودہ نسل کے دیانندی خیال کے لوگ جو بلحاظ زمانہ اور زبان کے بہت پیچھے کی نسلیں ہیں وہ اُنہی کتب سے توحید نکالتے ہیں اور بُت پرستی کے دشمن ہیں - بہر حال ایک بات سے انکار نہیں یا تو پہلے بزرگ راستی پر ہیں - اور یا وید گونگے ہیں - کہ اپنے اظہار مطلب سے عاجز اور عاری ہیں -

بھلا کبھی کسی نے کسی مسلمان کو بھی بُت پرستی اور مورتی پوجا کا حامی دیکھا یا سُنا ہے - قرآن شریف نے توحید کے مسئلہ کو ایسا صاف اور بیّن دلائل سے کھلے کھلے طور سے بیان کیا ہے کہ بت پرستی کا کبھی کسی مسلمان کے دل میں وہم و گمان تک بھی نہیں پیدا ہوا -

فرمایا کہ چشمۂ معرفت میں ہم نے ان لوگوں کے کل اعتراضات کا پورے طور سے ہمیشہ کے واسطے فیصلہ ہی کر دیا ہے - ہم یقین کرتے ہیں کہ اگر کوئی حق جو انسان تعصب اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر حق کی تلاش کے واسطے ہماری اس کتاب کو اول سے آخر تک پڑھ لیگا تو وہ کم از کم کبھی بھی اسلام کے برخلاف زبان یا قلم نہیں اُٹھا سکتا - پوری توجہ سے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نظر انصاف سے پڑھنا شرط ہے -

---

دو خط اور اُن کے جواب

چند روز ہوئے ایک خط حضرت حکیم الامت رضؓ کی خدمت میں بدیں مضمون آیا تھا کہ ایک مسجد اہل ہنود کے محلہ میں واقع ہے اور وہ بالکل ویران ہے ہمارا ارادہ ہے کہ اس مسجد کو فروخت کر کے اس کے روپیہ سے ایک اور مسجد کسی مناسب موقع پر بنا دی جاوے حضرت حکیم الامت رضؓ نے وہ خط حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیا - حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارے خیال میں بجائے دوسری جگہ مسجد بنانے کے اُسی کو آباد کرنا اور نماز کی پابندی سے اُسی مسجد کو رونق دینا باعث ثواب ہے - فرمایا کہ آج ہی سیر سے واپس آتے ہوئے ہمارے دل میں بڑی مسجد کو دیکھکر خیال آیا کہ اگر مسجد کے جانب شمال کی دو تین دوکانیں مل جاویں تو وہ خرید کر مسجد کو جانب شمال بھی وسیع کر دیا جاوے اس طرح سے ہماری مسجد عین بازار کے چوک میں آجاوے گی -

---

ایک اور خط حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب کی خدمت میں مضمون ذیل کا آیا جس کا جواب حضرت حکیم الامت رضی اللہ عنہ کی طرف سے دیا گیا فایدہ عام کی غرض سے درج ذیل کیا جاتا ہے -

سوال - شرع محمدی صلعم کے رو سے لڑکے یا لڑکی کا سن بلوغ کیا ہے -

جواب - قرآن شریف نے لڑکے یا لڑکیوں کے سن بلوغ کے متعلق کوئی خاص حد مقرر نہیں فرمائی - بلکہ یوں فرمایا ہے کہ حتیٰ اذا بلغوا النکاح - اس میں سر یہ ہے کہ اس امر کا قرآن شریف کے نازل کرنیوالے کو ہی اسوقت علم تھا کہ مختلف ممالک میں بوجہ شدت گرمی مختلف حد بلوغ ہیں - چنانچہ بعض ممالک میں بعض وقت ۲۶ یا ۲۷ برس تک پہنچکر لڑکے یا لڑکیاں بالغ ہوتے ہیں اور بعض ممالک میں دس بارہ چودہ برس ہی میں بالغ ہو جاتے ہیں - غرض اگر قرآن شریف کوئی حد مقرر کر دیتا تو اس وقت جبکہ ساری دُنیا نفس واحد کا حکم رکھتی ہے قابل اعتراض ٹھیرتا ہے - سبحان اللہ کیا پاک تعلیم ہے -

لڑکیاں عموماً حیض کے بعد اور لڑکے موئے ظہار پیدا ہونے کے بعد بالغ سمجھے جاتے ہیں -

سوال - اگر کوئی لڑکا ۱۶ برس کا اپنا نکاح کر کے خود ہی حق مہر لکھ دیوے تو کیا وہ قابل ادا ہوگا -

جواب - فرمایا کہ میری تحقیق میں لڑکی کا بدون اجازت ولی کے نکاح درست ہی نہیں ہوتا تو پھر ہم سے ایسا مسئلہ کیوں پوچھا جاتا ہے -

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن شریف میں صاف طور سے حکم ہے کہ فان آنستم منہم رشداً - لڑکوں کے واسطے ایسے امور میں رشد کی شرط رکھی ہے - اور پندرہ سولہ برس کے لڑکے ہمارے ایسا رشد کہاں رکھتے ہیں اور پھر بات یہ ہے کہ اب تو یہ مسائل حکام وقت کے اختیار میں ہیں - حکام وقت ان کا موقع کا فیصلہ کرتے ہیں -

انسانی زندگی کا مدعا کیا ہے

انسانی زندگی کے مدعا پر بنی نوع انسان کی مختلف قومیں ایسے ہی اختلاف رکھتی ہیں جیسے کہ وے اپنی شکلوں۔ صورتوں۔ رنگوں۔ روپوں وغیرہ میں اختلاف رکھتی ہیں کوئی تو صرف مادّی دنیا کی ترقی اور جاہ و مال حاصل کرنیکا ہی ذکر کرتا ہے۔ یعنی ان کے نزدیک جو دنیوی جاہ و مال و منال میں سبقت لے جاوے اس نے زندگی کا اصل مدعا سمجھ لیا۔ کوئی کہتا ہے کہ نہیں نہیں دنیا کو ترک کر کے کسی جنگل میں جا کر منگل منانا ہی زندگی کا اصل مدعا ہے اس لئے دنیا اور اہل دنیا سے تعلق توڑ۔ کان پھٹا جوگی بن کر یا ایک پیر سے کھڑا ہو کر یا کسی جگہ پر دھونی رما کر بیٹھنا ہی باعث چین و راحت ہے کیونکہ دنیا کے لوگوں کے ساتھ تعلق رکھنا ہی غفلت کا موجب ہے اور اصل راحت حاصل کرنے کا سوائے اس کے اور کوئی طریقہ ہی نہیں ہے کہ بیوی اور بال بچوں کے جھگڑے بکھیڑے میں نہ پڑے اور جنگل کا راستہ لے۔ کوئی کہتا ہے کہ نہیں میاں! انسانی زندگی کا اصل مدعا تو یہ ہے کہ وہ اس عالم مثال میں اگر اپنے آپ کو پہچانے کہ وہ کیا ہے اور کون ہے اور کیا حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا فرض منصبی کیا ہے؟ اس قوم کے نزدیک ہر ایک موجود الوجود بجائے خود ایسے ہستیاں ہیں کہ جنکو اس کا عین کہنا چاہیے جسکو دوسرے خالق تسلیم کرتے ہیں۔ اور کہ ان کے نزدیک شرک سے رہائی ہو سکتی ہی نہیں جب تک کہ دوئی کے خیال کو حرف غلط کیطرح مٹایا نہ جاوے مگر یہ شرک ایسا نہیں ہے جیسا کہ دوسرے حضرات تسلیم کرتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک جو مخلوق کو خالق کی عین نہ سمجھے وہ مشرک ہے اور ظالم اور حق تلفی کا مرتکب ہے ان کے نزدیک عین کا حرف زبان پر لانا ہی تہس نہس میں چنگی بلانے والا کام ہے سو جہ یہ کہ ان کے خیال کے بموجب یہ کل کائنات جسکو دوسرے مخلوق بتاتے ہیں اور یقین کرتے ہیں۔ خالق کی عین ہے پس ان کے نزدیک ایمانداری اور بہی خواہی کا یہی راستہ ہے کہ اس لکیر کا فقیر دل و جان سے ہو جاوے کہ عین کوئی نہیں ہے سب عین ہی عین ہیں۔ گویا کہ خدا تعالےٰ کی مخلوق کا قائل ہونا ان کے نزدیک عقل و خرد کا خاکہ اڑانا ہے کیونکہ وہ اپنے جملہ وجود کو خدا میں سے ایسا نکلا ہوا بیان کرتے ہیں کہ جیسے پانی میں حباب (بلبلا) پیدا ہو کر اسی میں معدوم ہو جاتا ہے۔ پس اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو بس یہ کہ نہ کوئی خالق ہے اور نہ کوئی مخلوق بلکہ ایسی ایک ہستی ہے جو بسبب وسیع ہونے کے کسی وقت مختلف شکلیں صورتیں رنگتیں اختیار کر لیتی ہے اور پھر سمٹ سمٹا کر ایک ہو جاتی ہے۔

اس ہر ایک ایسی ہستی کی بجائے خود وہی ہے۔ اور ان کے نزدیک جو شخص اس اعتقاد میں زبانی طور پر پختہ ہو گیا ہے۔ اس نے گویا زندگی کا مدعا سمجھ لیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک ان کی پیدایش کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھا اور یہی معنے ان کے نزدیک من عرف نفسہ فقد عرف ربہٗ کے ہیں۔ اور وہ انسانی ہستی اور جملہ دیگر ہستیوں کو ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے کہ دریا میں جوش آنے سے حباب پیدا ہوتے ہیں اور بعد کو جوش کے مدہم ہونے سے خود بخود معدوم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ایک اُستاد صاحب (جو آج کل ڈیرہ اسمعیل خان میں ہیں) جو اس مسئلہ کے گویا ماسٹر سمجھنا چاہیے یہی فلاسفی اس کی بالآخر سمجھاتے رہتے تھے۔ مگر ہم ایسے کودوں تھے۔ کہ باوجود کثیر محنت کرنے کے یہ سبق ان کا پڑھایا ہوا۔ ہماری سمجھ میں نہ ہی آیا وجہ یہ کہ ہم ایسے بھولے میاں تو تھے ہی نہیں۔ کہ بدیہیات کو چھوڑ کر ایسی ژٹلیات کے گرویدہ ہوتے کہ جس کے نہ تو پیر ہوں اور نہ وہ قابل تسلی و تشفی ہو۔ قرآن کو ہم نے پڑھا ہی تھا۔ اس میں ہمکو پہلا سبق تو یہ ملا تھا کہ الحمد للہ رب العلمین یعنی اللہ ایک ایسی ذات ہے کہ جو رب العالمین ہے یعنی عالموں کا پیدا کرنے والا ہے۔

اس لئے ہم نے اگر پرکھنا تھا تو اسی سبق سے ہی اس مسئلہ کو پرکھنا تھا۔ بدیں لحاظ کہ ہمارے یقین کے بموجب چونکہ قرآن کلام الٰہی ہے اور تمام خوبیوں کا جامع اور تمام بھلائیوں کا خزانہ ہے۔ مگر باوجود ایسی بات کے وہ اللہ تعالےٰ کو رب العالمین ظاہر کرتا ہے پھر اسکو الرحمٰن لکھتا ہے الرحیم لکھتا ہے۔ مالک یوم الدین لکھتا ہے جس سے یہ امر بہ بداہت ظاہر و باہر ہوتا ہے کہ وہ ضرور خالق ہے مالک ہے رازق ہے۔ جزا و سزا کا مالک ہے اور ہم سب بمعہ اپنی روحانی ... و جسمانی خاصیتوں قوتوں طاقتوں عقلوں شعوروں ادراکوں وغیرہ وغیرہ کے مخلوق ہیں پس اگر خدا کے نزدیک یہ مسئلہ حق ہوتا تو چاہیے تو یہ تھا۔ کہ قرآن کو اللہ تعالےٰ الحمد للہ رب العیین سے شروع کرتا ہے نہ کہ رب العلمین سے۔ چونکہ قرآن شریف کو خدا تعالےٰ نے رب العلمین سے شروع کیا ہے اس لئے ثابت ہوا کہ قرآن شریف کے برخلاف ہے یہ عقیدہ کہ ہر ایک چیز خدا تعالےٰ کی عین ہے اور غین نہیں ہے اور دنیا میں اس کے نشانات قدرتوں سے بھی یہی ترشح ہوتا ہے کہ دراصل انسان یا جملہ مخلوق اس کی عین کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی۔ مگر اس قوم نے عین سمجھے جانے کو ہی انسانی زندگی کا مدعا سمجھا ہے جو کہ بہ بداہت باطل ہے۔ کیونکہ انسانوں اور جملہ مخلوق کو جو آئے دن ٹھوکریں لگتی رہتی ہیں۔ دکھ اور تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ تو یہ تمام تکلیفیں اُسیکو پہنچی جاوینگی اور اس کا نتیجہ بجز اس کے اور کیا ہو گا۔ کہ اس بیچون و بیچگون کو کمزور۔ بزدل اور روگی و ناتوان سمجھا جائے۔ اس مذکورہ

الصدر قوم کے علاوہ اور بہت سی قومیں ہیں کہ جو مختلف عقائد انسانی زندگی کے مدعا میں قولاً و فعلاً ظاہر کرتی ہیں۔ مثلاً آریوں کا عقیدہ ہے۔ کہ مادہ۔ روح۔ پرمیشر یہ تینوں انادی یعنی ان تینوں کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے۔ یعنی ازلی ابدی ہیں۔ گویا کہ یہ ہر سہ اپنے ذات و صفات کی آپ ہی خدا ہیں۔ مادّہ ازلی ابدی۔ ارواح ازلی ابدی۔ پرمیشر ازلی ابدی۔ یہ ایک ایسا عقیدہ ہے کہ بظاہر ان ہر سہ کو ایک دوسرے کا ماتحت سمجھنا سخت غلطی ہو گی۔ وجہ یہ کہ جب ایک چیز ازلی ابدی ہو گی تو اس کی ذات صفات اور افعال بھی ازلی ابدی ہونگی۔ چنانچہ دیانند جی بھومکا صفحہ نمبر ۲۶ میں فرماتے ہیں کہ "جو شے غیر فانی ہوتی ہے۔ اس کا نام۔ صفت۔ فعل بھی غیر فانی ہوتا ہے کیونکہ ان کا ادہار (جوہر) غیر فانی ہے۔ جس سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ ارواح اور مادّہ میں جسقدر جوہر ہیں وہ سب ازلی ابدی ہیں۔ اور جسطرح مادہ اور ارواح کو پرمیشر کی ذات کے جوہروں کا علم نہیں ہے اسیطرح ایک حیثیت کے لحاظ سے پرمیشر کو بھی ان کے جوہروں کے علم کا نہ ہونا ممکن ہے۔ کیونکہ ایک حالت کی شئی اپنے ہم جنس شئی کی کل خواص و صفات سے آگاہ نہیں ہوتی ہے اگر کسی کسی صفات کا علم ہوتا ہے تو تجربہ کرنے کے بعد یا صرف ظنیات پر جو کہ بعض دفعہ غلط بھی نکلا کرتا ہے۔ مثلاً طبی علم محض ظنیات پر مبنی ہے۔ اگر حقیقی علم طبیب کو ہر مریض کے مرض کا ہو جاتا۔ اس کی تشخیص میں غلطی قطعی نہ ہوتی۔ تو نہ اس قدر قبریں نظر آتیں اور نہ دنیا میں امراض و وبائے کا روز بڑھتا۔ چونکہ جیسے مریض مخلوق ہے۔ ایسے ہی طبیب مخلوق ہے ایسے ہی دوائی مخلوق ہے۔ اس لئے ہر ایک کی پوری پوری کیفیت ایک دوسرے کو معلوم نہیں۔ اس لئے طبیب کی تشخیص میں غلطی ہو جاتی ہے اور مریض کا بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔ کچھ کی جگہ کچھ سمجھنا اور کچھ کی جگہ کچھ دیدیتا ہے جس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہے کہ علم کی کمی ہے اور تشخیص میں غلطی ہے۔ پس اگر تینوں کو ایک حالت کا سمجھا جاوے۔ یعنی ازلی ابدی تو ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑتا ہے۔ کہ وہ ہر سہ بوجہ ایک حیثیت اور حالت کے ہونے کے ایک دوسرے کو ہٹانے کی اور ذاتی صفات کو پلٹنے کی طاقت نہیں رکھ سکتے چنانچہ دیانند جی نے یہ بات بھی تسلیم کر لی ہے کہ پرمیشر کسی کی ذاتی صفات کو پلٹ نہیں سکتا۔ دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۸۱ اور نہ ہی ہست ہوئی چیز یا طاقت و قوت وغیرہ کو نیست کر سکتا ہے۔ دیکھو بھومکا صفحہ ۲ جب یہ بات تسلیم کر لی جاوے تو پھر اس بات کے قبول کرنے کے لئے وجوہات نہیں ملتے کہ کیوں دو کو ایک کے قبضہ قدرت میں تسلیم کیا جاوے۔ نیز کیوں ایک قبضہ میں دو ہوں۔ اگر ایک کے قبضہ میں دو ہونگے۔ تو اس سے لازم بھی آتا ہے۔ کہ یہ نتیجہ نکالا جاوے کہ ضرور بضرور ایک کو دوسرے دونوں کے اندرونی جوہروں کا علم ہے۔ اور جب

علم ہوگا تو ماننا پڑیگا کہ وہ اُن کے بنانے پر بھی قادر ہے کیونکہ علم کامل کسی شئی کا اُس کے بنانے پر قادر کر دیتا ہے اور اس ایک کا علم کامل ہونا اُن دونوں کے ذاتی و صفاتی جوہروں سے اس طرح پر ظاہر ہوتا ہے کہ ہم آئے دن دیکھتے رہتے ہیں کہ طرح طرح کی مخلوق جنم لیتی رہتی ہے خود آریوں کے اصول کے بموجب تناسخ کے چکر میں گناہوں کی سزا میں آگر گاہے بندر گاہے سوئر۔ گاہے آدمی (مرد و عورت) گاہے گائیں و بکری وغیرہ وغیرہ بنتے رہتے ہیں پس کیا وجہ ہے کہ ایسی ہستی کو جو ان ارواح کو نیا چولا پہناتی رہتی ہے اس کے علم سے محض غافل سمجھیں اور کیوں نہ تسلیم کرلیں کہ ارواح کو مادہ کے ساتھ جوڑ کر طرح طرح کی شکلیں صورتیں بنانا محض اس لئے ہے کہ وہ ان کے اندرونی جوہروں سے آگاہی و واقفیت تامہ رکھتا ہے؟ اگر کہا جاوے کہ آریہ سماج یہ تو مانتی ہے کہ پرمیشر کو جوڑنے جاڑنے کی قدرت اور علم ہے مگر اُن اشیاء کے بنانے کا علم نہیں ہے تو ہم یہ کہینگے کہ آریہ سماج ایک طرف تو یہ تسلیم کرتی ہے کہ "ایشور کو تینوں (ماضی مستقبل حال) زمانوں کا جاننے والا کہنا جہالت کا کام ہے" دیکھو اردو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۵۳ دوسری طرف یہ کہ وہ کسی شئے کی ذاتی صفت کو پلٹ نہیں سکتا۔ تیسری طرف یہ اقرار ہے کہ ہر ایک دکھ سکھ پچھلے جنموں کی کرتوتوں کا نتیجہ ہے چوتھے یہ کہ ارواح میں علم ارادہ خواہش اور نفرت محبت اور جوڑنے جاڑنے کی طاقت اور تحریک اور ملاپ جدا اور جدا کرنا اور ملانا اور گیان اور فعل وغیرہ کی وہ ساری چوبیس طاقتیں ساتھ رہتی ہیں دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۱۳ و صفحہ ۲۱۴ پس ان عقیدوں کے ہوتے ہوئے یہ ثابت ہونا مشکل ہے کہ پرمیشر کچھ کرسکتا ہے یا اُس کا اختیار ہے وجہ یہ پہلا عقیدہ یعنے یہ کہ پرمیشور کو تینوں زمانوں ماضی مستقبل حال کا جاننے والا کہنا جہالت کا کام ہے اس عقیدہ کی تردید کر دیتا ہے کہ ہر ایک دکھ اور سکھ پچھلے جنموں کی کرتوت کا نتیجہ ہے جب پرمیشور کو معلوم ہی نہیں کہ زمانہ ماضی میں کیا ہوا ہے تو وہ سکھ دکھ کیا دے سکتا ہے اگر دے تو اندھا دھند کاروائی کا یہ حال ہے ایسے ہی ستیارتھ پرکاش کے صفحہ ۲۱۳ کا عقیدہ جو اوپر مذکور ہوچکا وہ جوڑنے جاڑنے والا پرمیشور کو ہرگز ثابت نہیں کرتا کیونکہ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ارواح میں وہ صفات خود بخود ذاتی طور پر موجود ہیں جبکہ بوجہ اس کے کہ پرمیشر کو ماضی کا علم نہیں پرمیشر ہرگز نہیں جانتا ہے اگر کوئی آریہ دھینگا دھینگی سے یہ مانے کہ اُس کو جوڑنے جاڑنے کا علم ہے اور وہ جوڑتا جاڑتا ہے تو جہالت کا کام تسلیم کرنا پڑیگا۔

اصل میں یہ عقیدہ ہے تو بڑا مزیدار عقیدہ کہ پرمیشر کو نہ تو ماضی کی خبر ہے اور نہ مستقبل کی اور نہ حال کی کیونکہ اس سے دہریت کے لئے پورا پورا سامان موجود ہو جاتا ہے مادہ روح کو انادی ازلی ابدی مانتے ہیں جو باقی کسر رہ جاتی ہے وہ اس میں آکر پوری ہو جاتی ہے اور بالآخر یہی ماننا پڑتا ہے کہ نہ کوئی پرمیشر ہے اور نہ نیکی و بدی کا پھل دینے والا ہے بلکہ دُنیا کا تمام کاروبار خود بخود چل رہا ہے اگر کچھ ہے تو صرف یہ ہے کہ بعض ارواح میں یہ امر داخل ہے کہ وہ گائیں بکری بیل اور دوسرے چوپائے اور پرند وغیرہ بنیں اور بعض میں یہ کہ وہ انسان (عورت و مرد) اور بعض میں یہ کہ وہ گھاس پھوس و سبزی وغیرہ اس لئے ایسا ہوتا رہتا ہے اور اسی لئے نہ تو کچھ نیکی ہے اور نہ بدی بلکہ جو کچھ ہے اور ہو رہا ہے وہ ازلی ابدی طریقہ پر ہو رہا ہے وجہ یہ کہ نہ تو نیست سے ہست ہوسکتا ہے اور نہ ہست سے نیست اور نہ روحانی و جسمانی صفات کو کوئی پلٹ سکتا ہے کیونکہ نام۔ فعل۔ صفت وغیرہ غیر فانی ہیں۔ اور جو کام ہم نے مثلاً گذشتہ ۱۹۰۷ء میں کئے تھے اُس میں سے جیسے کہ بہت سے ہم کو بھول گئے ہیں اسی طرح پرمیشر کو کچھ بھی یاد نہیں رہا ہے بسبب اس کے کہ گذشتہ ۱۹۰۷ء ماضی ہو گیا ہے اور ماضی کی نسبت دیانند جی کا یہ فیصلہ ہے کہ "ماضی وہ ہے جو ہو کر نہ رہے" ماضی کی تو یوں صفائی ہوئی اب رہا مستقبل۔ مستقبل کے وجود کا مدار آریہ سماج کے اصول کے بموجب چونکہ ماضی پر تھا یعنے ہر ایک ذی روح کو اُن کے کرموں کے انوسار بدلا دیکر کسی کو بیل کسی کو گدھا کسی کو بندر کسی کو سوئر اور کسی کو آدمی کسی کو درخت اور کیڑا مکوڑا سبزی وغیرہ بنانا تھا مگر اب جبکہ ماضی کا علم ہی نہیں ہے تو مستقبل میں کچھ ہونا یا کرنا بالکل غیر ممکن ہے یہی وجہ ہے کہ سوامی دیانند جی مہاراج نے پرمیشر کو مستقبل کے علم سے بھی خالی بیان کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ جو پرمیشر کی نسبت یہ یقین رکھے کہ وہ مستقبل کو جانتا ہے وہ جہالت کا کام کرتا ہے وجہ یہ کہ مستقبل سوامی جی کی منطق میں وہ ہے کہ جو نہ ہو کے ہووے لطف یہ کہ باوجود ماضی اور مستقبل کی یہ تعریف کرنے کے سوامی جی کی سمجھ میں نہ آیا اور ہستی سے نیستی اور نیستی سے ہستی کا انکار کر دیا۔ خیر بہر کیف مذکورہ بالا تحقیقات سے یہ نتیجہ نکلا کہ جیسے ہم مستقبل کے علم سے بے خبر ہیں ویسے ہی پرمیشر بھی بے خبر ہے یہی وجہ ہے کہ آریہ سماجی کسی پیشگوئی کو سنکر دنگ ہو جاتے ہیں اور اُس پیشگوئی کا پورا ہونا انکو مبہوت کر دیتا ہے کیونکہ اُن کا تو یہ عقیدہ تھا اور ہے جو اوپر مذکور ہوا مگر اُسی آریہ ورت میں ایک ایسے خدا کے آپراجنے اور اپنے خالقیت مالکیت رازقیت کے حق جتانے اور اپنے عالم الغیب ہونے وغیرہ کی خبر دینے جو اُس نے ایک پاک کتاب قرآن کے ذریعہ دنیا کو ایک عرصہ پہلے سے دے رکھی تھی اور اس زمانے میں اُسی کتاب مقدس کی پیروی کی برکت سے اپنے ایک بندے حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کو خبر دینے اور مبعوث کرنے اور غیبی خبروں اور پیشگوئیوں نے کہ جنہوں نے ان کو ایسا حیران کر دیا کہ آخر کار یہ دنگ ہوگئے۔ اور صداقت کو قبول کرنے کے بجائے ایسا وتیرہ اختیار کیا کہ جو انصافاً ان کو جائز نہ تھا۔

مزا یہ کہ دیانندی عقائد کے رو سے انسانوں کا علم بہ نسبت پرمیشر کے زبردست ٹھہرتا ہے وجہ یہ کہ گذشتہ ۱۹۰۷ء کے بہت سے واقعات بجز معدودے چند کے ہم کو بھی یاد ہیں اور ایسے ہی دوسرے انسانوں کو بھی یاد ہونگے مگر پرمیشر اُس کو نہیں جانتا لہذا صاف ظاہر ہے کہ ہمارا علم پرمیشر کے علم سے بموجب دیانندی اصول کے وسیع اور قابل اعتماد ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پرمیشر کی انسانوں پر کچھ بھی برتری نہیں ہے۔ اگر کہا جاوے کہ پرمیشر میں یہ برتری ہے کہ وہ جوڑتا جاڑتا ہے تو ہم کہینگے کہ اول تو جوڑنے جاڑنے سے کوئی بزرگی نہیں ثابت ہوتی کیونکہ لوہار ترکھان (بڑھئی) سب جوڑنے جاڑنے کے کام کرتے ہیں دویم یہ کہ انسان باوجودیکہ صرف مادہ کے بعض خواص کا ظنی علم رکھتے ہیں ایسے ایسے عجیب عجیب صنعتوں کے ماہر ہیں کہ جس سے بنی نوع انسان کو ہزاروں طرح کا فائدہ پہنچتا ہے پرمیشر مادہ اور روح کے بغیر کچھ نہیں بنا سکتا اور یہ (انسان) صرف مادہ سے ہی ایسی ایسی کاریگریاں کرتے ہیں کہ باید و شاید۔ سویم یہ کہ جیسے کہ پرمیشر کو مادہ اور روح کے بنانے پر قدرت حاصل نہیں ایسے ہی انسان کو حاصل نہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حیثیت میں تو یہ دونوں برابر ہیں مگر صنعت اور حرفت میں انسان کمال کو پہنچا ہے جو صرف مادہ سے ہی ایسی ایسی کاریگریاں کرتا ہے کہ ایک جہان اُن کو دیکھکر دنگ ہو جاتا ہے نہ معلوم اگر یہ ارواح پر بھی قابو پالیتا تو خبر ہے کیا کیا اپنی دانائی کے نمونے دکھلاتا۔ جو کہ ازلی ابدی طور پر بقول آریہ سماج اُس میں موجود ہے۔

اس تمام تحقیقات سے نتیجہ کیا نکلا؟ یہی کہ انسانی زندگی کا کچھ بھی مدعا نہیں ہے اور اگر کچھ ہے تو صرف اس قدر ہے کہ پرمیشر کی ذات صرف موہومی ہے ورنہ فی الحقیقت اُس کے ہونے کی ضرورت ثابت نہیں ہوتی اور نہ اُس کا تصرف ثابت ہوتا ہے لہذا کیوں نہ یہ کہدیا جاوے کہ آریہ سماج کے اصولوں کو مدنظر رکھکر پرمیشر ہرگز ہرگز نہیں ہے جس سے اگر کچھ ثابت ہوگا تو یہی کہ آریہ سماج کے اصول کی چھان کرنے سے انسانی زندگی کا مدعا یہ ہے کہ ہر ایک چیز کو ازلی ابدی مانکر پرمیشر کے نہ ہونے کی تحقیقات بذریعہ اصول آریہ سماج کرکے اباحت اختیار کی جاوے۔ معلوم

(مرسلہ

ہوتا ہے کہ نیوگ جیسا حیاسوز مسئلہ ایسے ہی محقق کی جدت طبع کا نتیجہ ہے اس کے بعد ایک اور مذہب ہے جس کے پیرو اپنے آپ کو عیسائی اور مسیحی کہتے ہیں انھوں نے انسانی زندگی کا کیا مدعا سمجھا ہے؟ یہی ہے کہ جب تمام خلقت کو خداوند خدا نے گناہوں میں مبتلا پایا تو بجائے اس کے کہ کوئی تدبیر اُن کے راستباز بنانے یا راہ مستقیم پر آنے کی کرتا اُس نے ایسا کام کیا کہ جو [illegible] بھی اُس جیسی ذات اور ہستی کو کرنا واجب اور [illegible] نہ تھا۔ جیسے عیسائی کہتے ہیں کہ ایسی حالت میں خدا نے جو رحیم کل ہے اور کسی کے گناہ بغیر بدلے کے نہیں بخشتا [illegible] بندوں کی حالت پر بلا لٹ پر رحم کھا کر خود جامہ انسانی پہننا قبول کر کے ایک اسرائیلی کنواری عورت کے [illegible] میں اپنے کو بچہ بنا کر داخل کیا اور وہاں نو ماہ تک [illegible] کے حیض کے خون سے پرورش پا کر جنم لیا اور پھر بچپن کی تمام صعوبتیں برداشت کیں اور جب جوان ہوا تو ایک اسرائیلی مرد کے ہاتھ پر جا کر گناہوں کا اقرار کر کے بپتسمہ حاصل کیا اگرچہ بپتسمہ لینے سے پہلے اُس اسرائیلی مرد نے اُس کو اس فعل کے کرنے سے منع کیا اور اپنے طور پر انکساری کی اور کہا کہ میں تجھ سے بپتسمہ پانے کا محتاج ہوں مگر اُس نے نہ مانا اور یہی کہا کہ ہم کو چاہیے کہ یونہی راستبازی پوری کریں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت کے رحم میں نو ماہ تک رہنے سے اُس کو اپنی راستبازی پر شک آ گیا تھا اور حقیقت میں وہ راستبازی سے فرو تر گیا تھا جبھی تو اُس کو یوحنا کے ہاتھ پر گناہوں کا اقرار کر کے توبہ کا بپتسمہ لینا پڑا۔ اور یوحنا بھی عجیب مرد تھا کہ اُس کے آگے گناہوں کا اقرار کرتے اور توبہ کا بپتسمہ پاتے ہی معاً روح القدس کبوتر کی شکل میں اُس پر آن موجود ہو۔ ورنہ اس سے پہلے باوجودیکہ وہ خدا تھا مالک تھا مگر بسبب نو ماہ رحم میں رہنے اور انسانی جسم و عوارض کے روح القدس اُس سے بیزار ہو گیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آدم کے ذریعہ جو گناہ کا سلسلہ بتدریج اُس کی ماں تک پہنچا تھا جس کے سبب وہ گناہ آلودہ ہو گیا تھا نو ماہ پیٹ میں رہنے اور خون حیض سے پرورش پانے اور قریباً دو برس تک دودھ پینے وغیرہ کے باعث [illegible] روح القدس اُس سے بیزار ہو گیا تھا مگر جب اُس نے یوحنا کے ہاتھ پر توبہ کا بپتسمہ لیا گناہوں کا اقرار کر کے تو پھر روح القدس اُس کی طرف اترا مگر اترا تو کیسے اترا کبوتر کی شکل میں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابھی خوش ہو کر نہیں اترا ہے ابھی کچھ اس کے دل میں اس کی طرف سے دھڑکا تھا چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا یعنے یسوع آخر کار شیطان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا یا چلا گیا۔ یہ اُس سے ایک ایسی سخت غلطی ہوئی کہ کسی راستباز کو بھی نہ کرنی چاہیئے تھی چہ جائیکہ خود خدا ہو کر شیطان کے پیچھے پیچھے جاوے۔ اُس کی اس حرکت سے روح القدس اب بیزار ہوا کہ پھر باوجودیکہ وہ صلیب پر ایلی ایلی لما سبقتنی کہکر اُس کو پکارتا رہا ہے مگر پھر وہ اُس کے پاس ہرگز ہرگز نہیں پھٹکا۔

ہم نے ایلی ایلی لما سبقتنی سے روح القدس اس لئے مراد لی ہے کہ بقول عیسائیاں خود خدا تو یسوع تھا پھر خدا ہو کر کسی اور خدا کو پکارنا عقیدہ لاانجیل ہو جاتا ہے۔ یہودیوں نے کہا تھا کہ وہ الیاس کو پکارتا ہے جس کی وجہ صرف اُن کا خیال تھا جب کہ وہ الیاس کے دوبارہ آنے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ مگر ہمارا خیال کسی طرح بھی غلط عیسائی عقیدے کو مدنظر رکھکر نہیں ہو سکتا وجہ یہ کہ ساری عمر کل انسان اُس کی منادی پر ایمان لانے والے صرف بارہ ہی ہیں جس میں سے صرف ایک ہی امر پر اُس سے بیزار ہو گئے تھے باقی رہے بارہ اُن میں سے ایک نے تیس روپیہ لیکر پکڑوا دیا دوسرے نے سامنے کھڑے ہو کر تین دفعہ انکار کیا اور باقی تمام کے تمام اُس کے صلیب دیئے جانے کے وقت فرار ہو گئے اس تمام ناکامی کی حالت میں بجز اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ جب زمین والے منکر ہو گئے اور بھاگ گئے تو اب آسمان والوں کو ہی آواز دی جاوے مگر افسوس کہ آسمانی بھی اس آواز سے متاثر نہ ہوئے اور نہ یسوع کو جو اُنکا خالق تھا مالک تھا (بقول عیسائیاں) مدد دی آخر کار خدا جو یسوع کی شکل میں تھا صلیب پر جان سے جاتا رہا۔ جس سے یہودیوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ اپنے دعوے میں جھوٹا تھا اور ملعون ہو کر جہنم کا کندا ہوا اور عیسائیوں نے یہ نتیجہ نکالا مدت کے بعد یعنے جب حضرت پولوس کی عقل ٹھکانے آئی کہ وہ سارے جہان کے گناہوں کی گٹھڑی اپنی گردن پر لاد کر ہمارے لئے موا ہے۔ غرضیکہ عیسائیوں کے عقیدے کے بموجب ازلی ابدی خدا کہ جس نے فرعون جیسے زبردست بادشاہوں کا تختہ اولٹ کر موسیٰ جیسے اور اُس کی قوم جیسے کمزوروں کو تار دیا تھا اُس کی آخر کو یہ درگت ہوئی کہ وہ ایک ایسی قوم سے جو اپنی بادشاہت بھی اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے کھو بیٹھی تھی ماریں کھاتا منہ پر تھکواتا اور سر پر کانٹوں کا تاج رکھواتا صلیب پر لعنتی موت سے مر کر ملعون ہو کر سارے جہان کو نجات کا سرٹیفکیٹ دے گیا۔ اور اب تمام عیسائیوں کو صرف اسقدر ایمان لانا ہی ضروری رہ گیا کہ ازلی ابدی خدا یسوع مسیح کی شکل میں ظاہر ہوا۔ تمام جہان کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا اور تمام جہان کو نجات دے گیا گویا کہ عیسائیوں کے نزدیک انسانی زندگی کا مدعا یہ ہے کہ خداوند خدا نے (نعوذ باللہ) اُن کی خاطر ذلت اٹھائی اور وہ ملعون ہو گیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عیسائیوں کے نزدیک انسانی زندگی کا مدعا یہ ہے کہ خداوند کو ملعون (نعوذ باللہ) سمجھا جاوے اور اُس کو اُس کے اپنے ہاتھوں ذلت میں پڑنے کا اقرار کیا جاوے اور اعتقاد رکھا جاوے۔ تبھی نجات ہے ورنہ جہنم کا کندا بننا ہوگا۔ مگر ہماری سمجھ میں خالق مالک کی توہین اور ذلت کے قابل ہونے سے یہ بدرجہا بہتر ہے کہ سارا جہان جہنم رسید ہو جاوے کیونکہ (نعوذ باللہ) جب خدا کی ہی ذلت ہو گئی اور وہ ہی ملعون ہو گیا تو اور کسی کا دُکھ اٹھانا ہرگز بے جا نہیں ہے غرضکہ انسانی زندگی کا مدعا عیسائیت کے اصول سے نہایت ہی نامعقول اور قابل نفرین ثابت ہوتا ہے۔

ان سب مذہبوں کے مقابلے میں ایک اور مذہب ہے جو اپنا نام "اسلام" ظاہر کرتا ہے اس نے ایک ایسا خدا پیش کیا ہے کہ جو اس کُل کائنات کا خالق مالک رازق ہے چنانچہ اُس نے بیان کیا کہ الحمد للہ رب العالمین (تمام تعریفوں کے لائق وہ ہی ہستی ہے جو رب العالمین یعنے تمام جہانوں کے پیدا کرنے اور پرورش کرنے والی ہے) جس کا نام اللہ ہے الرحمٰن ہے (وہ بے مانگے دینے والا ہے) الرحیم (مانگنے والوں کی سُنکر اُن کو اُن کے اصل [illegible] کی چیز بوجہ علیم و خبیر [illegible] دان ہونے کے دینے والا ہے) مالک یوم الدین (نیکیوں کو نیکی کی جزا اور بدوں کو بدی کی سزا دینے والا ہے)۔ پھر ان تمام عبودیت اور ربوبیت کے تعلقات کو ذکر کر کے فرمایا کہ انسانی زندگی کی اصل غرض یہ ہے جو ذیل کے فقرے میں مذکور ہے یعنے

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

یعنے جنوں اور انسانوں کی پیدائش محض اس لئے ہے کہ وہ اپنی زندگی کے اصل مدعا کو سمجھیں جو کہ یہ ہے کہ وہ خالص خدا تعالیٰ کے ہو جاویں کیا معنے اپنے اُسی خالق مالک رازق کے تابعدار بن جاویں اُس کے بلائے بولیں اُس کے چلائے چلیں غرضکہ ہر ایک ذرہ ذرہ جسم کا جیسا کہ فی الحقیقت اُس کے دست قدرت سے موجود بوجود ہوا ہے ایسے ہی یہ خود بھی اپنے چال ڈھال کو کر کے دکھلا دیوے کہ حقیقتاً وہ ہمارا مالک ہے رازق ہے معطی ہے فیض بخش ہے فیض رساں ہے گویا کہ انسانی زندگی کی علت غائی کا خیال مدنظر رکھا جاتا ہے یعنی جبتک کہ اپنی تمام طاقتوں قوتوں وغیرہ کو اُس ہستی کے زیر حکم نہ کر دے کہ جس سے یہ عطا ہوئی ہیں۔

اس زندگی کے مدعا کو پورا کرنے کے لئے اسلام نے نہ تو کسی کی پھانسی کو جائز ٹھیرایا ہے اور نہ یہ تعلیم

دی ہے کہ خود خدا کو اس مدعا کے پورا کرنے کی خاطر جنم لینا پڑا اور نہ یہ تعلیم دی ہے کہ تم کسی بن میں جاؤ اور تمام دُنیوی تعلقات کو چھوڑ دو اور نہ یہ تعلیم دی ہے کہ تم لنگوٹ بند پوش ہو جاؤ اور چار ابرو کا صفایا کرو۔ اور نہ یہ ظاہر کیا ہے کہ صرف دنیوی جاہ و مال و منال میں ہی ترقی کرنا اس کے لئے ضروری ہے اور نہ یہ بتایا کہ تم کو اس مقصد کے ادا کرنے کی خاطر کان پھٹا جوگی بننا ضروری ہے اور نہ یہ تعلیم دی ہے کہ ایک پیر سے کھڑے ہو کر یا ہاتھ کو اوپر اُٹھا کر اس مقصد کو ادا کرو نہ یہ بتلایا ہے کہ تم جورو بچوں کو نہ اگ دو بلکہ ان تمام ردی اور لچر پوچ باتوں کا اسلام کھلا ہوا دشمن ہے وہ تو صاف فرماتا ہے کہ لارھبانیۃ فی الاسلام یعنے اسلام میں ایسی تو بات ہی داخل نہیں کہ انسانی قوای اور جوارح کا ادب بلحوظ خاطر نہ رکھا جاوے اور بعض قوتوں طاقتوں کو اور بعض قوی کو محض فضول اور نامعقول سمجھا جاوے یہی وجہ ہے کہ اسلام ہاں پیارا اسلام حکم دیتا ہے کہ ماخلقت الجن و الانس الا لیعبدون یعنے جنوں اور انسوں کی پیدائش تو ہم نے اس لئے کی ہے کہ وہ ہمارے تعبیدار بن جاویں اور ہمارے حکموں کو مانیں اُن پر چلیں اُن سے اہل دنیا کو نفع پہنچائیں اور خود نفع حاصل کریں۔ اس کا نتیجہ کیا ہو گا یہی کہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون یعنے نہ تو اُن پر دنیا سختی کا برتاؤ کرنے کامیاب ہو گی اور نہ وہ کبھی کسی حالت میں خوف زدہ یا آزردہ خاطر ہوں گے کیونکہ اُن کا تعلق ایک ایسی بڑی سرکار سے ہے کہ جو نہ صرف سب کا خالق ہے مالک ہے رازق ہے بلکہ فعال لما یرید بھی ہے پس جب ایسی ہستی کے تم تعبیدار بن جاؤ گے تو کوئی بھی تم کو سختی نہیں نظر آوے گی اور نہ تم کو کسی سختی میں پڑنے کا موقع نصیب ہو گا وجہ یہ کہ وہ خدا جس کی رضا کو تم نے مقدم کرنے کا اقرار و قصد کر لیا ہے تمہاری مدد پر ہو گا اور ہر ایک آفت اور ٹھوکر سے تم کو بچاوے گا۔

اس مقصد کو پورا کرنے کی خاطر اسلام کے اصول کے بموجب خدا نے یہی کیا ہے کہ ہمیشہ ضرورت کے وقت یعنے جبکہ اہل دنیا اس مقصد سے لاپرواہ ہو گئے کوئی بندہ اپنے بندوں میں سے اس مقصد کی طرف یاد دہانی کے لئے مبعوث کیا ہے اور اُس کے ذریعہ طرح طرح کے نشانات قدرت دکھلا کر اہل دُنیا پر ظاہر کیا ہے کہ حقیقت میں تمام کائنات کا مالک اور خالق وہی ہے تم کو اُسی کی طرف رجوع کرنا چاہئے اُسی کا بننا چاہئے۔ طرح طرح کے نشانات قدرت دکھلانا اور طرح طرح کی پیشگوئیاں کرنا محض اس لئے نہیں ہے کہ معجزہ و نشان یا پیشگوئی انسانی زندگی کا مدعا ہے جیسے کہ ایک صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ "کوئی حضرت نت نئی پیشگوئی کر دینا زندگی کا اعلے مدعا سمجھ رہے ہیں" بلکہ اس سے منشا یہ ہوتی ہے کہ تا خدا تعالیٰ کے موجود ہونے اور اُس دعوت حق کرنے والے کو مبعوث کرنے کی خدا کے عالم الغیب ہونے کی اس کے ذریعہ خبر دیجاوے اگر مطلق پیشگوئی کرنا ہی زندگی کا مدعا ہوتا تو نجومی اور رملی اس بات کو پورا کر رہے تھے کسی ملہم من اللہ یا نبی وقت کی ضرورت نہ تھی مگر جبکہ انسانی زندگی کا مدعا ہی یہ رکھا گیا ہے کہ وہ خدا کا ہو جاوے اسکا ہر ایک فعل قول خدا کی فرمانبرداری اور رضا کے نیچے ہووے تو یہ لازم آیا کہ جب جب یہ مدعا قریب المرگ ہووے تو خدا کی طرف سے کوئی مامور کیا جاوے اور اُس کے ذریعہ اس مقصد زندگی اور مدعا اصلی کا سبق پڑھایا جاوے چونکہ اسلام نے ہی خدا تعالیٰ کی ہستی کا چہرہ دکھلایا ہے جیسا کہ دکھلانے کا حق ہے اور اسکو ویسا ہی پیش کیا ہے جیسا کہ وہ فی الحقیقت ہے اور یہ شرف صرف دُنیا کے ایک سردار اعلیٰ کو جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پیارا نام دنیا میں رکھا تھا عطا کیا ہے جسکے ذریعہ خدا کی قدرتوں کے جلوے نہ صرف کسی پہلے زمانے میں دکھلائے گئے تھے بلکہ جب جب وہ مقصد زندگی فوت ہونے لگا تو آپ کی تعلیم پر عمل کرنے والے اور آپ کے رنگ سے رنگین ہو جانے والے کو خدا نے محض آپ کی پیروی سے پھر اُس زندگی کے مدعا کی طرف دعوت کرنے کے لئے مبعوث کیا چنانچہ اس ہمارے زمانے میں بھی خدا نے تمام خرابیوں پر نظر کر کے جن کی تفصیل ایک دفتر سے کم نہیں ہم میں سے ہی ایک ایسے بندے کو جو فی الحقیقت اپنے قول و فعل سے حضرت محمد صلعم کے رنگ سے رنگین ہو گیا ہے۔ اس زندگی کے مدعا کی طرف دعوت کرنے کے لئے مبعوث کیا ہے جس کا نام نامی اسم گرامی حضرت میرزا غلام احمد قادیانی ہے جو تمام جہان کے لئے مسیح اور مہدی بن کر آیا ہے یعنے دُنیا پرستی کے گند سے مسح کر کے چھڑانے اور محبوب حقیقی کی راہ کے دکھلانے کے لئے۔ مبارک وے جو اُس کی سُنیں اور اُسپر ایمان لا کر اصول زندگی اور مدعا زندگی کو حاصل کریں۔

الغرض اسلام نے یہی ظاہر کیا ہے کہ انسانی زندگی کا مدعا بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ خدا کا حقیقتاً بن جاوے یعنے دُنیا کے تعلقات جس قدر ہوں محض اس مقصد کے پورا کرنے کی خاطر ہوں کھانا ہو تو محض خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است کے لئے ماں باپ کی خدمت ہو تو محض اُسی حکم کی بجا آوری کے لئے بیوی کے بچوں کے حقوق ادا کرنے ہو تو محض حکم حاکم کی تعبیداری کے لئے گویا کہ اسلام کے اصول کے بموجب خدا نے انسانی ہستی کو لیعبدون کے لئے پیدا کر کے اس کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ حق اللہ اور حق العباد کو زیر نظر رکھے خدا کے برابر کسی حالت اور کسی صورت میں کسی کو نہ سمجھے اور نہ یقین کرے اور بندوں کا حق محض اُس کی اطاعت کی خاطر اور اُس کے راضی کرنے کی خاطر ادا کرے اور دل کو اُس کی محبت و چاہت و عشق سے بھر لیوے جس نے اُس کو پیدا کیا ہے۔ پس انسانی زندگی کا مدعا کیا ہے؟ یہی کہ ہر ایک امر میں خدا کی تعبیداری کو نصب العین رکھا جاوے اور اُس کے حکم سے ایک ذرہ تجاوز نہ کیا جاوے۔ یہ وہ فلسفہ ہے جو صرف صرف اسلام نے سمجھایا ہے۔ مبارک وے جو اس پیارے مذہب کی قدر کریں۔ فقط (خاکسار محمد حسین از لاہور چھاؤنی پنجاب۔

اطلاع ضروری

عبد المحی عرب صاحب کو آجکل دو ضرورتیں درپیش ہیں ایک مکان بنوایا ہے اس کی چھت کے لئے روپیہ کی ضرورت اور دوسری ایک کتاب عربی بول چال تصنیف کی ہے اس کے لئے چھپوائی کے واسطے روپیہ چاہئے اور اشتہار بھی دیا۔ مگر صرف تین درخواستیں آئی ہیں اس کی زبانی معلوم ہوا اور میرے سامنے ایک تجویز کی ہے اور وہ تجویز مجھے پسند ہے اور کار خیر ہے اور تجویز یہ ہے کہ مذکورہ ذیل کتابیں وہ احباب جو ذی وسعت ہیں دس دس روپیہ کی کتابیں پانچ پانچ روپیہ میں دیگا اور محصول ڈاک عرب صاحب کے ذمہ ہوگا اگر ایسے دوست جو تعداد میں سو یا پچیس ہوں اور میری آواز کو سنیں تو عرب صاحب کا کام ہو جائے گا کتب یہ ہیں۔

نام	تعداد	اصل قیمت	نصف قیمت
اختلاف رد شیعہ	۱۶	فی نسخہ ۳ر	اار
مبادی الصرف	۱۶	فی نسخہ ۲ر	ار
قرآن کریم کی دعائیں	۱۶	فی نسخہ ۲ر	ار
نظم سلاک اہل فضائل	۸	فی نسخہ ۶ر	۳ر

اس تجویز کو دل سے پسند کرنے والا اور میں خود خریدار ہوں
دار السلام نور الدین

انوار احمدیہ مشین پریس قادیان میں شیخ یعقوب علی تراب احمدی کے اہتمام سے چھپ کر شائع ہوا